eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

OPEN ACCESS

پرویز اختر نعیم
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر عبد الستار ملک
لیکچرار ،شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Pervaiz Akhtar Naeem
Ph.D Scholar, Dept.of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad
Dr. Abdul Sattar Malik
Lecturer, Dept.of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad

خالدہ حسین کے افسانوں میں علامت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

Symbolism in Khalida Hussain's Short Stories
An Analytical Study

Abstract

Khalida Hussain is an eminent Urdu short story writer. She is an introvert in her short stories. Her short stories comprises multi -dimensional meanings. To attain this purpose, she writes in symbolic style mostly. This article attempts to analyze her short stories in the perspective of symbolism. Sometimes she uses concrete symbols and sometimes abstract way of writing. Her symbols are neither so easy, nor so difficult to understand. She chooses them from life, society, folklore, literary traditions, eastern culture and myth. She uses these symbols to express her inner feelings, self-actualization, and stream of conciousness, interior monologue, existentialism, psychological problems and also matters related to society. These symbols are vary from each other and demands deep intention to understand them.

Keywords: Symbolism, Khalida Hussain, Short stories, Analysis, Urdu, Myths

کلیدی الفاظ: علامت نگاری، خالدہ حسین، افسانے، تجزیہ، اردو، اساطیر

خالدہ حسین اردو کی ایک ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ ان کے چھے افسانوی مجموعے شائع ہوئے جن میں "پہچان" (1981ء)، "دروازہ" (1984ء)، "مصروف عورت" (1989ء)، "ہیں خواب میں ہنوز" (1995ء)، "میں یہاں ہوں" (2005ء) اور "جینے کی پابندی" (2017ء) شامل ہیں۔ متعدد افسانے ایسے بھی ہیں جو ادبی رسائل میں شائع تو ہو چکے ہیں، مگر ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک ناول "کاغذی گھاٹ" (2002ء) بھی لکھا۔ متعدد غیر ملکی افسانوں کے اردو تراجم کیے۔ انھوں نے ساٹھ کی دہائی میں باقاعدہ طور پر لکھنا شروع کیا۔ ان کا نام جدید افسانے کے بانیوں میں لیا جاتا ہے۔ جدید افسانے کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی معنوی کثیر الجہتی ہے۔ معانی و مفاہیم کی اس کثیر جہتی کی ایک بڑی وجہ ان میں علامت نگاری یا علامتی رویے کا پایا جانا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر لفظ "علامت" کا مفہوم واضح کر دیا جائے تاکہ قارئین کو سمجھنے میں

آسانی رہے۔ "علامت" بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا انگریزی مترادف "symbol" ہے۔ مختلف لغات میں لفظ "علامت" کے معنی تھوڑے ردّو بدل کے ساتھ تقریباً ایک جیسے ہیں۔

صاحبِ نور اللّغات کے نزدیک علامت کے معنی "۱۔ نشان۔ ۲۔ آثار۔ ۳۔ پہچان" کے ہیں۔(۱)

سیّد احمد دہلوی کے نزدیک علامت کے معنی "۱۔ نشان۔ لکھشن۔ لچھن۔ مارک۔ ۲۔ پتہ۔ ایڈریس۔ ۳۔ سراغ۔ کھوج۔ ۴۔ اشارہ۔ کنایہ۔ ۵۔ چھاپ۔ مُہر۔ شناخت کا نشان جو کارخانہ یا مالک کی طرف سے ہو۔ لیبل۔ ۶۔ آثار" کے ہیں۔(۲)

فرہنگِ عامرہ میں یوں مذکور ہے: "علامت۔ نشان۔ پتہ"(۳)

مندرجہ بالا تمام لغات جن کے حوالے دیے گئے ہیں، معتبر لغات ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری لغات میں بھی تقریباً ان جیسے معانی کو ہی دہرایا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام لغوی معانی لفظ "علامت" کے بطور ادبی اصطلاح مفہوم کا مکمل احاطہ نہیں کرتے۔ ادبی اصطلاح کے طور پر مختلف ماہرین نے علامت کے جو مفاہیم بیان کیے ہیں، اُن میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

پروفیسر انور جمال کے نزدیک:

"ہر لفظ کسی خاص معنی کے لیے وضع ہوا ہے۔ اگر ہم لفظ کو اُس کے مخصوص معانی کی بجائے اِس سے کوئی دوسرے معنی مراد لیں تو یہ 'علامت' ہو جائے گی۔"(۴)

ڈاکٹر فہیم اعظمی علامت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"سمبل ایک کثیر المعنی، نظریہ اور متن سے آزاد، جملہ یا تحریر یا کلام ہے۔ یہ ارادی طور پر تخلیق نہیں ہوتا بلکہ رویا (vision) اور القا کی کیفیت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اِس کے ایک معنی نہیں ہوتے۔ یہ کسی ایک سچوایشن یا کیفیت یا کردار کی نمائندگی نہیں کرتا ورنہ ایک محدود قسم کی علامت بن کر رہ جائے۔"(۵)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے بقول:

"علامت مخفی تصورات کے وسیع نظام کی مجمل ترین صورت ہے... علامت میں اظہار بصورتِ اخفا ہوتا ہے۔"(۶)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی علامت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"علامت دراصل طبیعی چیزوں کی تمثالوں یا خاصیتوں کی مدد سے اخلاقی یا روحانی چیزوں کی نمائندگی کرنے والا لفظ یا غیر لفظی نشان ہوتا ہے۔"(۷)

علامت کے حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری یوں رقم طراز ہیں:

"علامت کسی غیر مرئی حقیقت کا مرئی نشان ہے۔ مرئی نشان غیر مرئی حقیقت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ غیر مرئی حقیقت چونکہ معنی خیزی رکھتی ہے اس لیے اِس کے پیچھے گنجلک و پیچیدہ خیالات و محسوسات کا ایک سلسلہ بنتا ہے اور علامت اِن خیالات کے تصورات ابھارنے کے فرائض اختصاری عمل سے انجام دیتی ہے۔"(۸)

علامت کے مندرجہ بالا تمام لغوی معنی اور اور ادبی اصطلاح کے طور پر اس کی تعریفات کا اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ لفظ "علامت" کے لغوی معانی اِس کے بطور ادبی اصطلاح مفہوم کے بہت تھوڑے حصے کو محیط ہیں۔ان تعریفوں سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ علامت کسی ان دیکھی شے کی مماثلت یا مشابہت ہے، جس کے پیچھے احساسات اور فکر کے اشاروں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے۔علامت جتنی تہہ دار اور کثیر المعانی ہو گی، اتنی ہی زیادہ وہ وقعت کی حامل ہو گی۔علامت اگرچہ کسی اور چیز کی متبادل ہوتی ہے،لیکن یہ کوئی سامنے کی چیز نہیں ہوتی۔یہ اپنے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی بہت سے مفاہیم و مطالب کی حامل ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔لیکن ان تمام مفاہیم و مطالب تک رسائی ہر شخص کے بس میں نہیں، بلکہ ہر فرد اُس علامت سے اپنے تجربے،مطالعے یا مشاہدے کے لحاظ سے ایک خاص مفہوم اخذ کرے گا۔مثال کے طور پر سرخ جھنڈی ایک عام فہم شخص کے لیے ٹرین یا گاڑی کے رُک جانے کی علامت ہے لیکن کسی دوسرے شخص کے لیے وہ سرخ عروسی لباس کی علامت ہو سکتی ہے۔اِسی طرح مختلف تجربے یا مشاہدے کے حامل ایک تیسرے شخص کے لیے وہ سرخ جھنڈی بہتے ہوئے سرخ خون کے مفہوم کی حامل بھی ہو سکتی ہے۔اِس لحاظ سے وہ علامتیں جو عام فہم ہوتی ہیں اور اُن سے صرف ایک مخصوص مفہوم یا چیز مراد لی جاتی ہے،علامت نہیں رہتیں بلکہ نشان بن جاتی ہیں۔مثلاََ کرسی ایک عام فہم علامت ہے جس سے اگر صرف اقتدار مراد لیا جائے تو پھر یہ علامت کی بجائے نشان بن جائے گی۔

علامت اپنے خاندان کے دوسرے ارکان مثلاََ نشان، اشارہ، استعارہ اور تجرید سے بھی معانی و مفہوم میں الگ ہے۔بعض ناقدین نشان اور علامت کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں،بعض اِن میں فرق خیال کرتے ہیں اور بعض ناقدین یہ خیال کرتے ہیں کہ نشان :اور علامت اپنے محلِ استعمال کی وجہ سے کبھی مترادف ہو جاتے ہیں اور کبھی مختلف۔اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"جب کوئی لفظ یا شے ایک مقررہ معنی کو ذہن میں لائے تو یہ نشان ہے نہ کہ علامت۔"(۹)

اپنی اِس بات کی مزید صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ہارن بجے اور فوراََ کار کا خیال آئے تو ہارن کا بجنا نشان ہے کار کے وجود کا۔اِس طرح جب صلیب کا لفظ التزاماََ قربانی کے مفہوم کو سامنے لائے تو یہ بھی نشان ہے نہ کہ علامت۔علامت کسی مقررہ معنی کی بجائے امکانات کا دوسرا نام ہے"(۱۰)

ناقدین عام طور پر نشان اور علامت کو ایک ہی چیز تصور کرتے ہوئے اِن میں فرق روانہیں رکھتے اور نشان ہی کو علامت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔مثال کے طور پر بادل بارش کی،چاند خوبصورتی کی،پھول نازکی کی، سمندر وسعت کی اور رات اندھیرے کی علامت کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں حالاں کہ اگر خالص ادبی اصطلاح کے طور پر دیکھا جائے تو یہ تمام اشیاء علامتیں نہیں بلکہ نشان ہیں۔

"اشارہ" بھی "نشان" کی طرح ایک مخصوص مفہوم یا معنی کا حاصل ہوتا ہے اگر چہ یہ معنی یا مفہوم "نشان" کے معنی یا مفہوم سے الگ ہوتے ہیں۔اِس ضمن میں ڈاکٹر انیس اشفاق وہیل رائٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بادل کی گرج بیک وقت فطری نشان کی حیثیت سے بھی عمل کر سکتی ہے کہ وہ چمک کا امکان ظاہر کرتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ شاید بارش ہوگی اور بہ حیثیت اشارہ بھی (کہ وہ ہمیں پناہ ڈھونڈنے کی ہدایت دیتی ہے۔)" (۱۱)

اِس سے پتا چلا کہ نشان، اشارے کے لیے لازمی عنصر ہے لیکن علامت کا اشارے سے براہِ راست کوئی واسطہ نہیں ہے۔اسی طرح علامت اور استعارے میں بھی فرق ہوتا ہے۔استعارے کا صرف ایک خاص مجازی مطلب اور مفہوم ہوتا ہے اور وہ اِس سے آگے نہیں جاسکتا، لیکن علامت کے ایک سے زیادہ معانی ومفاہیم ہوتے ہیں جو کہ کثیر الجہاتی ہوتے ہیں۔علامت اور استعارے کے درمیان دوسرا بڑا فرق یہ ہے استعارہ لازمی طور پر ایک ارادی اور شعوری عمل ہے،جب کہ علامت بسا اوقات غیر ارادی اور لا شعوری بھی ہوتی ہے۔اِس ضمن میں ڈاکٹر فہیم اعظمی لکھتے ہیں:

"اِس (سمبل) کا خالق بھی بعض اوقات اپنی تحریروں میں اِس کے وجود سے ناواقف ہوتا ہے۔استعارہ چونکہ ایک ارادی عمل ہے، اور اِس سے حقیقی کے بجائے صرف ایک مجازی معنی مراد ہوتے ہیں اِس لیے اِس کی شناخت آسان ہے" ۔(۱۲)

اِستعارے اور علامت کے بارے میں وہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اس (لاشعوری یا تحت الشعوری) حالت میں قلم کار اپنے ماحول سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ صورت رویا، یا نیم خوابی کی ہوتی ہے۔ عقیدتی زبان میں القا بھی کہہ سکتے ہیں۔ایسی ہی حالت میں سمبل تخلیق ہوتے ہیں جو استعارے سے بالکل الگ اور (بلا تشبیہ) "کن فیکون" کی تخلیق کی طرح ہوتے ہیں جن کو کسی منطق یا قانونِ سبب وعلت کے تحت نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ تخیق مبہم نہیں ہوتی۔ اس میں ابہام اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ہم متن میں اس کی جگہ اور معانی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے منطق اور میتھ میٹکس کے معیار پر پرکھتے ہیں۔"(۱۳)

علامت، تجرید سے بھی مختلف ہے۔تجرید، تجسیم کا متضاد ہے۔اس میں انسان کے اپنے ذاتی تجربات اور محسوسات کی مختلف اکائیوں کو بالکل اُسی طرح پیش کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔اِس کے بر خلاف علامت میں مصنف کے اپنے تجربات،محسوسات کو اجزا کی شکل میں نہیں، بلکہ کلی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اِس کل میں معنی کی کئی پر تیں اور سطحیں ہو تی ہیں، جن میں سے ہر قاری اپنی اپنی استعداد اور ذوق کے مطابق مطالب ومفاہیم اخذ کر کے اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین کرتا ہے۔علامت اور تجرید میں بنیادی فرق یہ ہے کہ علامت پیش کی جا سکتی ہے۔اُسے بیان کیا جا سکتا ہے۔اُس سے ہم واقف ہوتے ہیں۔وہ کسی نہ کسی دوسری چیز،خیال،احساس،جذبے یا مفہوم کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ جس چیز یا مفہوم کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے اس کا احساس ہر قاری کے ذہن میں الگ ہو سکتا ہے، لیکن تجریدیت میں چونکہ تجربات واحساسات کی چھوٹی چھوٹی اکائیوں کو بعینہٖ پیش کر دیا جاتا ہے جس سے کوئی صورت گری نہیں ہوتی۔چیزیں، خیالات،احساسات،تجربات سب خام شکل یا یوں کہیں کہ سیال شکل میں محسوس ہوتی ہیں۔جس طرح ایک سیال چیز کی اپنی کوئی شکل نہیں ہوتی اور اُسے جس برتن میں بھی ڈالیں وہ اُسی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔اِس طرح تجریدت میں بھی اِن چیزوں یا تجربات کی کوئی معین شکل نہیں ہوتی،بلکہ قاری ان کو جیسا محسوس کرنا

چاہیے، یہ ویسی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ لیکن چونکہ علامت بھی اصل میں کثیرالمعانی اور کثیر الجہاتی فضا کی حامل ہوتی ہے اس لیے وہ بھی بڑی حد تک تجریدیت کو جنم دیتی ہے، لیکن یہ تجریدیت جو کہ علامت کے سبب سے وجود :میں آئی ہے، صورت یا امیج سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتی اور علامت کی کارکردگی کو واضح کرتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "علامت تجرید کی حدوں کو صرف چھوتی ہے مگر متخیلہ کے ذریعے! بے شک جب وہ صورت کو کسی ایک معنی کے شکنجے سے نکال کر کثیرالمعانی فضا کے سپرد کرتی ہے تو تجریدی فضا کو ضرور جنم دیتی ہے، مگر یہ تجریدی فضا امیج سے کلیتاً منقطع نہیں ہوتی۔ اردو افسانے نے اپنے علامتی دور میں افسانے کے اجزائے ترکیبی مثلاً کردار، پلاٹ اور فضا وغیرہ کو ان جسمانیت سے منقطع کرکے تجرید کے حوالے کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ صرف ایک حد تک ہی کامیاب ہو سکی۔ یعنی جہاں واقعات اور کردار ایک دھندلی فضا میں ہواؤں کی طرح دکھائی دیتے ہیں، وہاں علامتی کارکردگی واضح ہوئی مگر جہاں تجرید واقعیت سے یکسر منقطع ہو گئی، وہاں گہری دھند پھیل گئی اور علامتی کارکردگی متاثر ہوئی۔" (۱۴)

الغرض علامت اپنے اصطلاحی معانی و مفاہیم کے لحاظ سے سے نشان، اشارے، استعارے اور تجرید سے مختلف ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ناقدین جب بھی کسی فن پارے کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ان تمام عناصر کو الگ الگ نہیں بلکہ علامت ہی کے طور پر دیکھتے ہیں اور انھیں علامتی عناصر گردانتے ہیں۔

خالدہ حسین کے افسانوں، خاص طور پر شروع کے افسانوں کی بنیادی پہچان یا خصوصیت علامتی طرزِ تحریر ہے۔ وہ پہلی خاتون افسانہ نگار ہیں جنھوں نے تجرید کو اپنے افسانوں میں برتنے کے ساتھ ساتھ منظم طور پر علامتی افسانے بھی لکھے۔ وجود اور اس کے مسائل، حیرت، تصوف، ما بعد الطبیعات، پراسراریت، تشکیک، خوف اور دہشت جیسے عناصر اُن کی کہانیوں کی بُنت میں اہم کردارادا کرتے ہیں۔ اپنے افسانوں کی مخصوص فضا بندی کے لیے وہ علامتوں کا بھرپور استعمال کرتی ہیں۔ اُن کی علامتوں میں تنوّع ہے۔ یہ علامتیں فوک لور، شعری ورثے، مشرقی تہذیب، تاریخ، معاشرے اور دیو مالا سے جنم لیتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں خارجی سطح بھی موجود ہوتی ہے، لیکن واقعہ صرف خارج تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسان کے داخل کو بھی چھوتا ہے۔ اس طرح افسانہ کثیر سطحی بن جاتا ہے۔ اُن کے ہاں سوچنے اور چیزوں کو دیکھنے کا انداز ہی کچھ ایسا ہے کہ بیان میں ایک علامتی سطح :ابھر آتی ہے۔ انتظار حسین ان کے افسانوں کے دو سطحی پن کے بارے میں لکھتے ہیں

> "(خالدہ حسین کے ہاں) خارج کی سطح کا اقرار ہے۔ یہ افسانے پڑھتے ہوئے ہم روز مرہ کے واقعات ہی کی دنیا میں ہوتے ہیں مگر بات یوں ہے کہ یہاں کوئی واقعہ خارج کی سطح پر گزر کر معدوم نہیں ہو جاتا۔ ہر واقعہ خارج
> کی سطح سے اتر کر داخل کی سطح پر گزرتا ہے اور ایک آشوب پیدا کرتا ہے۔" (۱۵)

خالدہ حسین نے اردو افسانے کو نیا لہجہ اور نئی معنویت عطا کی۔ ان کے افسانوں میں خارج کی واقعیت کے ساتھ ساتھ انسان کے باطن میں بھی جھانکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی کہانیاں قاری کو اپنی ذات کی پہچان میں مدد

دیتی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان کہانیوں کا دائرہ اسرارِ کائنات تک پھیلا ہوا ہے۔اس کے لیے خالدہ حسین نے علامتی پیرایہ اظہار منتخب کیا ہے، لیکن اس کے لیے "خالدہ حسین کو اوپر سے علامت کا رنگ چھڑکنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔سوچنے اور چیزوں کو دیکھنے کا انداز ہی کچھ ایسا ہے کہ بیان میں ایک علامتی سطح ابھر آتی ہے اور کہانی دو سطحی بن جاتی ہے" (16)ان کے افسانوں میں بظاہر معمولی سی بات، واقعہ یا خیال اپنی خارجی سطح سے اتر کر داخلی سطح پر پہنچ جاتا ہے۔اس لحاظ سے اُن کی کہانیاں بڑے غور و فکر کی متقاضی ہوتی ہیں۔

۱۹۶۰ء سے پہلے تک اردو افسانے میں حقیقت نگاری کا زور تھااور اس کی روایت کافی مضبوط تھی۔ساٹھ کی دہائی میں کئی ایک اور عوامل کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری کے ردِّعمل کے طور پر علامت نگاری، تجریدیت، زبان کا معکوس استعمال، سریلسٹ تکنیکیں، استعارہ سازی اور آزاد تلازمہ خیال جیسے ادبی وسائل سے کام لیا جانے لگا تو بعض افسانہ نگار اس میں دوسری انتہا تک پہنچ گئے، اور یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ نئی تکنیکیں اورادبی تجربے ہی اُن کی منزلِ مقصود ہیں

> "لیکن بتدریج یہی تکنیکیں تخلیقی تجربے کے فقدان اور جدّت کی خواہش کے وصف اپنی تاثیر سے محروم ہو گئیں، اور انجام کار نیا اردو افسانہ مبہم رویے اور زبان کے بے تکے استعمال کا مغلوبہ بن گیا۔خالدہ حسین ساٹھ کی دہائی کی وہ افسانہ نگار ہیں جنہوں نے ریلسٹ افسانے کی روایت اور نام نہاد تجریدی افسانے کے تصور میں درمیانی راستہ اختیار کیا۔" (۱۷)

اُن کی کہانیاں نہ تو سیدھی سادی حقیقت کا پرچار کرتی ہیں اور نہ ہی ناقابلِ فہم علامتوں یا بے تکی تجریدیت کی حامل ہیں۔بلکہ وہ حقیقت نگاری، علامت اور تجرید کے امتزاج سے جنم لیتی ہیں لیکن یہ حقیقت نگاری نہ تو پریم چند کے سکول جیسی ہے اور نہ ہی یہ تجرید انور سجاد کی تجرید سی ہے۔

خالدہ حسین کی کہانیاں عام طور پر پہلی یا سرسری قرأت میں قاری پر اپنا آپ نہیں کھولتیں۔ان کے اسرار و رموز سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے اِن کے اندر اترنا پڑتا ہے، ان کو غور سے پڑھنا پڑتا ہے۔اُن کے افسانوں میں کہانی پن بھی موجود ہے اور علامتیں بھی۔کہانی پن کی وجہ سے قاری افسانے میں اپنی دل چسپی برقرار رکھتے ہوئے علامتوں کی تفہیم حاصل کرتا ہے :اور حظ اٹھاتا ہے۔اُن کی علامتوں میں تنوّع ہے۔خالدہ حسین کی علامت نگاری کے ضمن میں محمد منشا یاد لکھتے ہیں

> "وہ انھیں (علامتوں کو) زندگی، معاشرے، تاریخ، فوک لور، شعری ورثے، ادبی روایات،مشرقی تہذیب وثقافت اور دیو مالا سے چنتی ہیں اور یہ علامتیں افسانے کے بطون سے کھمبیوں کی مانند خود بخود پھوٹتی ہیں۔"(۱۸)

خالدہ حسین اپنے افسانوں میں کرداروں کے ذریعے انسانی وجود اور اس کے مسائل کو ابھارتی ہیں۔خود شناسی، خود ترحمی، بیزاری، مجبوری، انسانی تنہائی، لایعنیت، عدم ابلاغ، غصہ، انتقام، رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ اور گمشدہ معنویت جیسے مسائل ان کے افسانوں کے اہم موضوعات ہیں۔ان موضوعات کی متاثر کن پیش کش کے لیے وہ علامت،

تجرید، تمثیل اور استعارے جیسے ادبی وسائل کو بروئے کار لاتی ہیں۔جس سے ایک منفرد اسلوب تشکیل پاتا ہے جو صرف خالدہ حسین سے مخصوص ہے۔

خالدہ حسین کے افسانوں میں حیرت ایک بنیادی عنصر ہے۔وہ حیرت کے اس عنصر کی تخلیق اور اس کے اظہار کے لیے بھی علامتوں کا استعمال کرتی ہیں۔لیکن ان کے ہاں علامتیں مصنوعی اور آورد کی محتاج نہیں ہیں، بلکہ یہ خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور افسانہ نگار کے ما فی الضمیر کو، احساسات و جذبات کو یا صورتِ حال کی حیرت ناکی کو پورے سحر کے ساتھ قاری تک پہنچانے میں :مدد کرتی ہیں۔ڈاکٹر محمد اجمل لکھتے ہیں

"اِن کے ہر افسانے میں علامتیں پھیلی ہوئی ہیں۔علامتوں کا یہ وفور کوئی مصنوعی آورد نہیں ہے،بلکہ ایک پہاڑی چشمے کی طرح ابلتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک دریا بن جاتا ہے۔اِنھیں علامتوں کی بدولت ان کے افسانوں پر ایک مستقل جذبہ حیرت طاری رہتا ہے۔"(۱۹)

خالدہ حسین کی اکثر علامتیں علامت کی اصل اور جدید تعریف پر پورا اترتی ہیں۔یعنی وہ کثیر الجہاتی ہوتی ہیں اور ان سے کوئی ایک خاص مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ ایک سے زیادہ معنوی امکانات کو مس کرتی ہیں۔یہ امکانات افسانہ نگار کے ذہن میں بھی ہو سکتے ہیں اور قاری کے ذہن میں بھی۔اس وجہ سے ایک ذہین قاری ان علامات سے زیادہ محظوظ ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے ذہنی یکسوئی،توجہ اور غواصی کی ضرورت ہوتی ہے۔سرسری قرأت سے یہ علامات اپنا آپ نہیں پکڑاتیں۔محمد منشا یاد :لکھتے ہیں

"خالدہ حسین کے فن کی تفہیم آسان نہیں ہے۔افسانہ ہو کہ ناول،ان کی اشاروں سے اور زیرِ لب باتیں سمجھنے کے لیے تھوڑی توجہ اور غواصی کی ضرورت ہوتی ہے۔ان کے بیانات یا واقعات سے کسی ایک حتمی مفہوم کو چمٹی سے پکڑ کر باہر نکالا اور دکھایا بتایا نہیں جا سکتا۔۔اُن کے فن سے پوری طرح لطف اٹھانے کے لیے اِن میں اترنا اور بھیگنا ضروری ہوتا ہے۔"(۲۰)

خالدہ حسین کے متعدد علامتی افسانوں کو نشان زد کیا جا سکتا ہے مثلاً "سواری"، "ہزار پایہ"، "کمرہ"، "پرندہ"، "بایاں ہاتھ"، "چینی کا پیالہ"، "سایہ"، "کنواں"، "دھوپ چھاؤں"، "دروازہ"، "مکڑی"، "میلا"، "فن کار" وغیرہ۔

علامتی حوالے سے "سواری" کو اگر خالدہ حسین کا نمائندہ افسانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔اس افسانے میں سواری خوف، دہشت اور اسرار کی علامت ہے۔اس کے پردوں کے اندر جھانکنے والوں کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور وہ کچھ بھی بتانے سے قاصر ہوتے ہیں۔بی بی امینہ اس افسانے کے بارے میں لکھتی ہیں:

"سواری" ایک مکمل علامتی افسانہ ہے...اس افسانے میں تین دیہاتی کرداروں کی مدد سے بھید، اسرار،دہشت اور خوف کی کیفیات ظاہر کی گئی ہیں۔"(۲۱)

اس افسانے میں سورج چھپ جانے پر آسمان کے مغربی کنارے پر جو سرخی پھیلتی ہے، اُسے خالدہ حسین نے ایک علامتی رنگ دیا ہے۔اس میں ایٹم بم کی تباہ کاریوں کو بھی دیکھا جا سکتا ہے اور اُس کی دہشت سے متاثرہ افراد کی سراسیمگی بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم جیسا مہلک ہتھیار استعمال ہونے کے بعد شہروں کی حالت کیا ہوتی ہے،اس کا اظہار دیکھیے::

"جب اُدھر (اُس نے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا) سورج ڈوبنے پر سرخی لہو کی طرح گہری ہونے لگی اور رات کے اندھیرے میں بھی گہری رہنے لگی تو ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔۔۔یہ سرخی بستی بستی پھیلتی ہے۔ایسی سرخی مَیں نے کبھی اپنی زندگی میں نہ دیکھی تھی۔نہ ہی میرے بزرگوں نے اور نہ ہی اُن کے بزرگوں نے۔۔۔"[۲۲]

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ خالدہ حسین کی علامات اکہرے مفہوم کی حامل نہیں ہوتیں، بلکہ کثیر معنوی ہوتی ہیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس افسانے میں پُل، دلدل اور سورج کو قیامت اور اُس کے دہشت ناک مناظر، جب سورج انتہائی قریب اور گرم ہو گا اور ہر شخص کو پل صراط سے گزرنا ہو گا، کی علامات کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس افسانے کا مندرجہ ذیل اقتباس :دیکھیے

مجھے یوں لگا کچھ میرے قریب آ رہا ہے یا میں خود کسی چیز کے قریب پہنچ گیا ہوں۔جس کا مجھے۔۔۔ نہیں ہم سب کو،ہم سے پہلوں اور ہم سے بعد آنے والوں کو انتظار ہے اور میرا جسم پتھرا رہا ہے۔ مگر اس پُل اور دلدل اور سورج سے نجات نہیں۔"[۲۳]

اس سے اگلا بیان بھی اس بات کی تائید کر رہا ہے جب افسانے کا مرکزی کردار ان تین لوگوں سے پوچھتا ہے کہ وہ اتنے روز کہاں غائب رہے تو وہ کہتے ہیں:"ہم اپنے آپ کو روک رہے تھے۔ ہم نے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا۔۔۔"ہم یہاں نہیں آنا چاہتے تھے" معمر شخص کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔"مگر اس کے سِوا کوئی چارہ نہ تھا۔۔۔"[۲۴] یعنی کوئی شخص چاہے جتنا بھی جتن کرے،وہ اس دن، اُس خاص گھڑی سے نہیں بچ سکتا۔ہر شخص کو وہاں حاضر ہونا ہی پڑے گا۔

"ہزار پایہ" بھی خالدہ حسین کے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔جس میں علامتی پیرایہ اظہار اختیار کیا گیا ہے۔اس افسانے میں زندگی کی تاریکیوں اور پر اسراریت کی عکاسی کی گئی ہے۔اس افسانے میں ہزار پایہ اپنی پہلی اور ظاہری سطح پر ایک بیماری کی علامت ہے لیکن خالدہ حسین نے اپنے تخلیقی تصرف کے ذریعے اس کو انسانی وجود کے اندر فساد پھیلانے والے مادے کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔پروفیسر صغیر افراہیم لکھتے ہیں:

"ہزار پایہ بظاہر ایک زہریلا کیڑا ہے جو کان میں گھس جاتا ہے یا جسم سے چمٹ کر اپنے پاؤں گاڑ دیتا ہے اور پھر جسم کا خون چوستا رہتا ہے، مگر خالدہ حسین نے تخلیقی تصرف کر کے ہزار پایہ کو وجود کے اندر سرسرانے والے اور فساد پھیلانے والے مادے کے طور پر پیش کیا ہے۔"[۲۵]

"ہزار پایہ"میں اجنبیت کے اس احساس کی تشریح کی گئی ہے جو پابند زندگی کے دباؤ سے جنم لیتا ہے اور جس میں ایک فرد کے لیے انسانی رشتے بے معنی ہو جاتے ہیں۔انیس ناگی کے بقول:"یہ اپنی موجودگی کا اُس دنیا میں شعور ہے جہاں معاشرے کا جبر اور انسانی بے بسی انسان کو اپنے آپ سے جدا کر دیتی ہے کہ وہ خود کو بھی نہیں پہچان سکتا۔"[۲۶]

یہ کہانی زبان کے غیر معمولی حسن اور پر اسرار فضا سازی کی بنا پر منفرد اور ممتاز ہے۔"اس کہانی میں ایک ایسے شدید خوف کا احساس بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے جو ہزار پایہ کی طرح رینگتا ہواموت کی علامت بن جاتا ہے۔زندگی سے موت تک کے سفر کی وجودی واردات خالدہ حسین نے علامتی پیرائے میں بیان کی ہے۔"(۲۶)

"بایاں ہاتھ" خالدہ حسین کا ایک اور معروف علامتی افسانہ ہے جس میں "بایاں ہاتھ" شر کی علامت ہے۔اس افسانے میں خالدہ حسین نے اسلام کے ایک عقیدہ آخرت کے متعلق قرآنی آیات و احادیث سے اکتسابِ فیض کیا ہے جن کے مطابق قیامت کے دن جن جن لوگوں کابرائیوں والا پلڑابھاری ہو گا(جن میں شر کا عنصر زیادہ ہو گا)، اُن کے اعمال نامے اُن کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ جب مرکزی کردار (خاتون) ایک سپر سٹور میں داخل ہوتی ہے تو اُس پر شر کا جذبہ غالب آ جاتا ہے اور اس نے بڑی مشاقی، چابکدستی اور خاموشی سے کئی ایک چیزیں (بائیں ہاتھ کی مدد سے) چرا کر بیگ میں ڈال لیں:"مَیں خود ہی اپنی اس فنکارانہ چابکدستی پر حیران رہ گئی۔ میرے بائیں ہاتھ نے خوبصورت رنگ برنگی چیزیں خاموشی سے یوں کہ دائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوبیگ میں انڈیل لیں۔۔۔"(۲۸)اور جب اُس خاتون کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوتی ہے تو وہ خودہی متعلقہ افسران کو اس چوری اور اِس میں خود کے ملوّث ہونے کی اطلاع دیتی ہے، جس کے نتیجے میں اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ہاتھ کاٹنے کا یہ عمل بظاہر تو شریعتِ مطہرہ کے احکامات پر عمل کرنے کا اظہار ہے، لیکن اس عمل کی علامتی معنویت یہ ہے کہ معاشرہ عام طور پر شر کو روکنے کی بھر پور کوشش کرتاہے۔ہاتھ کاٹے جانے کے اس عمل کے بعد ایک رات خاتون نے دیکھا کہ اُس کا بایاں ہاتھ دوبارہ بازو سے جُڑا ہوا ہے۔یہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ خیر اور شر دونوں ہی معاشرے کا لازمی جزو ہیں۔شر کو مکمل طور ختم کر دینا (بائیں ہاتھ کو الگ کر دینا) ممکن نہیں ہے۔کیونکہ شیطان، جو کہ ہمارا ازلی وابدی دشمن ہے، نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نیک راستے سے بھٹکا کر شر والے راستے پر ڈالے گا۔اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو قیامت تک کے لیے مہلت دی ہوئی ہے۔لہٰذا تھوڑا ہو یا زیادہ،اس شر سے مفر ممکن نہیں (یہ پھر میری کلائی سے جڑا ہے۔میرے وجود کا حصہ ہے)۔برائی کی علامت 'بائیں بازو' کا کاٹ دیے جانے کے باوجود خود بخود پھر ہاتھ سے جڑ جانا فلسفہ جبر و قدر کی بھی علامت ہے۔مجموعی طور پر یہ افسانہ انسان کے باطن میں خیر و شر کے معرکے کی نزاکتوں کا علامتی پیرائے میں اظہار ہے۔

"چینی کا پیالہ" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔اس افسانے میں "چینی کا پیالہ" زندگی کی ناپائیداری اور موت کی علامت ہے۔لیکن یہ علامت صرف اسی مفہوم تک محدود نہیں ہے۔یہ اس کائنات کی بھی علامت ہے جس میں ہم رہتے ہیں اور جو "کھڑکھڑانے والی" یعنی قیامت کے دن ختم ہو جائے گی۔

> "اِس طرح۔۔۔اُس نے پیالہ اُٹھا کر زمین کے ساتھ کھڑکھڑایا۔اور وہ کھڑکھڑانے والی۔تم کیا جانتے ہو وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟وہ بلند کو پست اور پست کو بلند کر ڈالنے والی۔۔۔کُوٹ ڈالنے والی۔۔۔"(۲۹)

فتح محمد ملک اس افسانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بات چینی کے پیالے کو صاف کرنے سے شروع ہوئی اور قیامت پر آ تمام ہوئی۔ نہیں تمام کہاں ہوئی۔ خالدہ حسین ہمیں قرآن حکیم کی سورہ القارعہ کی روشنی میں وجود و عدم کے طلسم ِ ہوشربا سے دوچار کر گئیں۔"(۳۰)

چیونٹیوں کی کائنات وہ چینی کا پیالہ تھا۔پیالہ ٹوٹنے سے ان کی کائنات ختم ہو گئی لیکن ان کے وجود ختم نہیں ہوئے۔اِسی طرح قیامت کے دن بھی ہماری کائنات ختم ہو جائے گی، وجود ختم نہیں ہوں گے۔ چینی کا پیالہ (یا چینی کی بنی کوئی بھی چیز) چونکہ نازک ہوتا ہے اور ذرا سی ٹھوکر یا چوٹ سے ٹوٹ سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ زہری(افسانے کے ایک اہم کردار) کی شکست،بے بسی اور موت کی علامت بھی ہے۔

خالدہ حسین کے فن کا یہ کمال ہے کہ وہ زندگی یا معاشرے کی خارجی سطح پر ہونے والے واقعات کی مادی منطق سے آگے نکل جاتی ہیں اور ہمیں کسی ایسے نکتہ معرفت تک لے آتی ہیں جو اُن کے پسندیدہ موضوع "وجود" پر سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"چینی کا پیالہ" بھی علامتی پیرائے میں اس موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔

"کمرہ" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔اس افسانے میں ملازمت پیشہ خواتین کو کپڑے کے ٹکڑے دیے جاتے ہیں، اور وہ اُن ٹکڑوں کو دیے گئے نمونے کے مطابق سی دیتی ہیں۔انھیں نہیں پتا کہ کپڑے کا جو ٹکڑا وہ سی رہی ہیں وہ کس کام کا ہے۔ادارے کے باس نے اپنی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا ہے۔"سیاہ چشمہ" اشیا یامظاہر کو دیکھ کر بھی نہ دیکھنے کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔جب کہ ملازمت پیشہ خواتین کو دیے جانے والے کپڑے کے ٹکڑے زندگی کی بے معنویت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کے متعلق کچھ علم نہیں ہوتا کہ اسے کیا بنانا ہے اور کس طرح گزارنا ہے، لیکن ہم مجبورِ محض ہو کر اسے گزارتے چلے جاتے ہیں۔"(۳۱) اس افسانے کے کئی اور جملے اور اشارے بھی علامتی ہیں۔مثال کے طور پر جب مرکزی کرداراس ملازمت :کے لیے درخواست بھیجتی ہے تو آس پاس کے لوگوں کاردِّعمل ملاحظہ کریں

"بھئی واہ۔ایسی ملازمت اور تم؟ بھائی بہت مشکل کام ہے۔خواہ مخواہ کیوں شرمندگی مول لیتی ہو۔اول تو درخواست وہاں پہنچے ہی گی نہیں اور اگر پہنچ بھی گئی تو سمجھ لو کہ رسید نہیں ملے گیاور اگر رسید مل گئی توانٹرویوکے لیے بلاوا مت آیا اور اگر آ بھی گیا تو سوائے اس کے بخیے ادھڑوا کے آ جاؤ اور کیا ہو گا۔۔۔"(۳۱)

ہمارے ملک کا جو نظام ہے،اس میں رشوت اور سفارش کے بغیرملازمت کا ملنا بہت مشکل ہے۔مندرجہ بالا اقتباس اس فرسودہ نظام اور صورتِ حال کا علامتی اظہار ہے۔اس افسانے میں مرکزی کردار کے کام کی کبھی تعریف کی گئی اور نہ ہی کبھی تنقیص۔یہ چیز پاکستانی معاشرے میں سزا و جزا، تحسین و تنقیص کے موثر نظام کی عدم موجودگی کا علامتی اظہار ہے۔(۳۲)ہمارے ملک میں بیوروکریسی نے مختلف محکموں کا جو حال کر رکھا ہے اُس میں نہ تو قابل آدمی کے لیے انعامات کی گنجائش ہے اور نہ ہی کام چوروں کے لیے سزا۔نتیجے کے طور پر قابل اور ایماندار ملازم بھی دوسروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، جب کہ نکمے اور کام چور مزید کھل کھیلتے ہیں۔اسی طرح جب مرکزی کردار باس سے یہ کہنے جاتی ہے کہ کیوں نہ ایک ہی آدمی پوری جنس (قمیص یا جو کچھ بھی وہاں بنتا ہے)تیار کرے تو افسر اس کو نوکری سے نکال

دیتا ہے۔یہ عمل اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ افسر شاہی میں افسروں کو کوئی مفید مشورہ دینا یا اُن سے کوئی سوال کرنا ملازم کے لیے خطرناک ہے اور اُس کو ملازمت سے برطرف بھی کیا جا سکتا ہے۔خالدہ حسین نے یہ افسانہ چونکہ آمریت کے دور میں لکھا اس لحاظ سے یہاں ”باس“آمر یا اس کی نمائندگی کرنے والے کسی فوجی افسر کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ جن کو صرف ”یس سر“کہنے والے ہی اچھے لگتے ہیں۔سوال پوچھنے والے کو وہ تنزلی کے آخری درجے تک پہنچا سکتے ہیں۔

سایہ“اگرچہ ایک علامتی افسانہ نہیں ہے،مگر اس میں بھی کئی ایک جملے یا اشارے علامتی تاثر پیدا کرتے ہیں۔مثلاً:

”آپ جانتے ہیں کہ ہماری گاڑی نہیں چل رہی۔کھڑی ہے۔“ (۳۳)

اس جملے میں ہمارے ملک کے سیاسی، معاشی و معاشرت نظام پر علامتی انداز میں طنز کیا گیا ہے۔فوجی آمر ملک میں جمہوریت کو پنپنے نہیں دیتے۔کرپٹ اور نااہل بیوروکریسی نے ملک کے معاشی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ رشوت، سفارش، جھوٹ، دھوکہ، جعل سازی جیسے مکروہ عناصر نے ہمیں معاشرتی و اخلاقی طور پر کھوکھلا کر دیا ہے اور ان تمام عوامل و عناصر کی وجہ سے وطنِ عزیز کی گاڑی ترقی کے ٹریک پر کھڑی ہے، چل نہیں پا رہی۔اسی طرح سیٹ نمبر ۱۳ کا بیان جس پر کہ مرکزی کردار آ کر بیٹھتا ہے۔ہمارے ہاں بعض لوگ جب کہ مغربی دنیا کے اکثر افراد ۱۳کے ہندسے کو منحوس سمجھتے ہیں۔خالدہ حسین نے بھی غالباً اسی حوالے سے اپنے مرکزی کردار کو سیٹ نمبر ۱۳پر بٹھایا ہے۔ اس سیٹ کی کئی ایک علامتی توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں،مثلاً یہ ایک سیٹ خالی ہونے کی وجہ سے سہل الحصول ہے باقی تمام پر لوگ بیٹھے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ بد بختی، تباہی و بربادی، تنزلی، مایوسی وغیرہ آسانی سے انسان کو گھیر لیتے ہیں۔مرکزی کردار کا سیٹ نمبر13 پر بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ اب اُس کے لیے آثار ٹھیک نہیں ہیں۔اس کے معاملات میں گڑ بڑ ہونے والی ہے،اور ہوا بھی یوں کہ افسانے کے آخر میں اُس کو گاڑی سے اُس جگہ نیچے دھکا دے دیا جاتا ہے جہاں کوئی راستہ ہی نہیں، بس گہرائی ہی گہرائی ہے۔اسی طرح ایک جملہ ”حضور ہم انسانوں کو ناموں سے نہیں ٹکٹوں سے گنتے ہیں۔“ہے۔ٹکٹ چونکہ رقم سے ملتا ہے لہٰذا یہ دولت کی اکہری علامت ہے،جب کہ نام ہونا یا نام والا ہوناعزت و شہرت کی علامت ہے۔اس لحاظ سے اس جملے کی علامتی معنویت یہ ہو سکتی ہے کہ جدید معاشرے میں انسان کی ذاتی شرافت، عزت یا ناموری نہیں دیکھی جاتی بلکہ ہر انسان کو دولت کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔اگر کسی کے پاس ٹکٹ(دولت) ہے تو وہ امن اور چین کے ساتھ زندگی کا سفر طے کر سکتا ہے، لیکن اگر یہ ٹکٹ نہیں ہے تو پھر انسان کی عزت، شہرت بھی کسی کام کی نہیں۔اُسے زندگی یا معاشرے کی گاڑی سے اتار دیا جاتا ہے اور مسلسل گہرائی (تنزلی و ذلّت) اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

افسانہ ”پرندہ“ میں پرندہ روح کا استعارہ ہے اور جسم کو پنجرے سے تشبیہ دی گئی ہے۔پرندہ پنجرے میں قید ہے، یعنی روح جسم میں قید ہے یا زیادہ وسیع معنوں میں کہ فرد اس دنیا میں ایک قیدی کی حیثیت رکھتا ہے اور مرنے کے بعد ہی اسے اس قید سے رہائی ملے گی۔اس کے ساتھ ساتھ یہ خوف اور دہشت کے احساسات کو بھی نمایاں کرتا ہے۔افسانے میں معالج موت کی علامت یا نشان ہے جو روح کو جسم کی قید سے اور لوگوں کو دنیا کی قید اور اس کے

مسائل سے نجات دلاتی ہے۔وہ ہر روز اپنے مریض کو دیکھنے آتی ہے کہ کہیں اُس کا وقت مکمل تو نہیں ہو گیا؟ خوف کا نہتا لمحہ اس پر وارد تو نہیں ہو چکا؟

افسانوی مجموعے "دروازہ" کی پہلی کہانی "دھوپ چھاؤں" میں بھی علامتی عناصر پائے جاتے ہیں۔افسانے میں مرکزی کردار عذرا کا "ہر تجربہ ادھورا رہ جاتا ہے، لیکن ہر تجربہ ایک مکمل علامت ہے۔بس میں ایک پاگل کا بند ہونا، گھر میں روفی بھائی کا حیران کن طرزِ عمل، کوپر کے درختوں سے ڈھکے گھر سے سانپ کا نکلنا، مجھے تو یہ سب تصور کی تھاہ لانے کی کوشش معلوم ہوتا ہے۔"(۳۴)اس کہانی میں دیو مالا اور اساطیر کے امتزاج سے علامتی فضا سازی کی گئی ہے۔

افسانہ "تفتیش" میں افسانہ نگار نے عصرِ حاضر میں ہر طرف مشینوں کی حکمرانی پر طنز کرتے ہوئے اسے علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔یہ جانتے ہوئے بھی مشینیں آخرکو مشینیں ہی ہیں۔ان میں خرابی بھی پیدا ہو سکتی ہے یا ان کے نتائج غلط بھی ہو سکتے ہیں، ان پر اندھا اعتماد کیا جاتا ہے اور ان کے نتائج کو قبول کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمد اجمل اس افسانے بارے میں لکھتے ہیں:

> "تفتیش" ایک علامتی بغاوت ہے، مشینوں کی دنیا، اُن کی بے دردی اور غیر انسانی رویے کے خلاف اور گروہوں کی نا بینائی سے جو بالعموم تعصب اور شک کی طاقت کے بل پر زندہ رہتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ملک و قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔" (۳۵)

"کنواں" بھی ایک خوبصورت علامتی افسانہ ہے۔خالدہ حسین نے اس افسانے میں کھوٹے سکے کو برائی کی علامت بنا کر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ برائی کو ذات کے اندر ہی دفن کر دینا چاہیے تا کہ وہ دوسروں تک نہ پھیلے۔ جب کہ کنواں ذات کی اتھاہ گہرائیوں کی علامت ہے۔کھوٹے سکے اور کنویں کی علامات کو ایک دوسرے رخ سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔یعنی اگر ہمیں کسی کی برائی کا سامنا کرنا پڑے تو ہم جواب میں اس سے برائی نہ کریں، بلکہ حسنِ اخلاق سے اس کی برائی کا اثر زائل کر دیں۔کھوٹے سکے کو ذات کے کنویں میں دفن کر دیں۔

"آدھی عورت" میں مختلف علامتوں کے ذریعے ہمارے معاشرے میں عورتوں کے روایتی تصور کو بیان کیا گیا ہے، جس کے تحت عورت دوسرے درجے کی مخلوق ہے۔مرد اس سے افضل ہے،گھر کا حکمران ہے اور عورت مرد کے پاؤں کی جوتی ہے۔افسانہ نگار نے موثر علامتی فضا کے لیے اساطیر سے بھی کام لیا ہے۔

"دروازہ" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔اس افسانے میں ان عالموں، مفکروں اور دانش وروں کو علامتی انداز میں طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے جو علم تو رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔اپنے علم کو صرف دنیاوی قدرو منزلت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔بقول بی بی امینہ: "دروازہ" ہمارے معاشرے کے ان نام نہاد عالموں پر طنز ہے جو علم کے حصول پر تو فخر محسوس کرتے ہیں مگر عمل سے عاری ہیں۔"(۳۶) افسانے کے آخر میں جب مرکزی کردار اس شہر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو دروازے پر "نو ایگزٹ" لکھا نظر آتا ہے۔یہ جملہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ جو لوگ علم کو دنیاوی افتخار، ریاکاری اور نمائش کے لیے حاصل کرتے ہیں، وہ اس لت میں اس بری طرح مبتلا ہو جاتے ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی اس قبیح عادت کو نہیں چھوڑ سکتے۔جب کہ مٹی کھانا بے فائدہ علم (عمل کے بغیر علم بے فائدہ ہی ہوتا ہے) کو اپنے دل و دماغ

میں بھرنے کی علامتی معنویت رکھتا ہے۔مٹی کھانے کے اس عمل سے یہ مفہوم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے عالم و دانشور جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ مٹی تو کوئی جانور بھی نہیں کھاتا۔

"شہسوار" بھی علامتی انداز میں ان لوگوں پر طنز ہے جو اپنی غفلت اور بے عملی کی وجہ سے راکب سے مرکب بن جاتے ہیں۔یہاں "گھوڑا" نفسِ امّارہ کی علامت ہے کہ اگر انسان اسے قابو کر لے اور اُس پر سوار (غالب) ہو جائے تو وہ بہت جلد(عرفان کا) راستہ طے کر سکتا ہے لیکن اگر وہ غفلت، بے عملی یا بد عملی کا شکار ہو گیا تو گھوڑا (نفسِ امارہ) اُسے اپنے قدموں تلے روند دے گا۔مرکب کی حیثیت سے نکل کر وہ راکب کے درجے پر پہنچ جائے گا اور اشرف المخلوقات انسان پر سواری کرے گا۔

"اے ڈیڈ لیٹر" بھی تجرید اور علامت کے امتزاج کی حامل کہانی ہے۔اس کہانی میں افسانہ نگار نے معاشرے میں سیٹل ہونے یا گھر بنانے کی صورتِ حال کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔اس افسانے کے بارے میں خالدہ حسین کہتی ہیں:

> "اِس(افسانے) میں ایک انسانی صورتِ حال ہے۔معاشرے میں یا گھر بنانے میں یا سیٹل ہونے میں جو اذیت پوشیدہ ہے اِس میں اس کا اظہار ہے۔مجھے یہ چیزیں اہم لگتی ہیں کہ انسان اندرونی طور پر جو ہے سو ہے لیکن خارجی طور پر اسے دنیا میں اپنی جگہ بنانے کے لیے اذیتوں اورخوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ کہانی اس حقیقت کو سمبولائز کر کے لکھی گئی ہے۔"(۳۷)

"مکڑی" میں مارشل لا دور کے سیاسی و سماجی حالات کو علامتی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔مکڑی کا گھر آمرانہ نظامِ حکومت کی علامت بھی ہے جو کمزور عوام کو اپنے جالوں اور تاروں میں پھانس لیتا ہے۔مگر مکڑی کا گھر چونکہ (اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق)سب سے کمزور ہوتا ہے، اس لیے یہ دوہری متضاد علامت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی افسانہ نگار یہ کہنا چاہتا ہے کہ درحقیقت یہ گھربہت کمزور شکنجہ ہے اوراگر ہم اس کے خلاف مزاحمت کریں تو بہت جلد اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔اس افسانے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس طرح پورے جسم پر سر کی حکمرانی ہوتی ہے۔اسی طرح عوام پر ایک حکمران ہوتا ہے۔مرکزی کردار کا اپنے سر سے نجات پانا آمرانہ نظامِ حکومت سے نجات پانے کی خواہش کی علامت ہے۔افسانے میں اژدہا عقل و دانائی کی اور کتا نفسِ امارہ کی علامت ہے۔کتے کا اژدہے پرغالب آنے کی علامتی معنویت یہی ہو سکتی ہے کہ دورِ حاضر میں نفسانی خواہشات عقل وخرد پر غالب آگئی ہیں۔

"دوسرا آدمی" بھی علامتی و تجریدی عناصر سے مملو ہے۔طیارے پر سفر کرنے والے مرکزی کردار کے ساتھ بیٹھا آدمی اُس کو مانوس سا لگتاہے۔دورانِ سفر اُس دوسرے آدمی کی موت ہو جاتی ہے، لیکن طیارے کا عملہ مرکزی کردار کوسٹریچر پر اٹھا کر لے جاتا ہے۔وہ چیختا چلّاتا ہے کہ مرا تو دوسرا آدمی ہے، مَیں تو زندہ ہوں، لیکن اس کی بات کوئی نہیں سنتا۔گھمبیر فضا سازی اور علامتی و تجریدی عناصر کی فراوانی کی وجہ سے قاری اصل صورتِ حال کو سمجھنے سے تقریباً قاصر رہتا ہے۔

"سمندر" میں سمندر موت کی علامت ہے،جو ہر ذی روح کو اپنے اندر سموئے جا رہا ہے۔موت ایک پر سکون ابدی نیند ہے، جو ہر جاندار کو زندگی کے جھمیلوں سے نجات دلا دیتی ہے۔مرکزی کردار کو موت کے تند و تیز تھپیڑوں کا سامنا ہے اور موت کے بعد ایک ابدی پرسکون نینداس کا انتظار کر رہی ہے:"یہاں لیٹو، آرام سکون سے،یہ میرا تمھارا سمندر ہے"بس میں اس قدر سن سکا۔جوار بھاٹا کی پہاڑ قد لہریں بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔" (۳۸)

"نامہ بر" میں انسان کے اندرپائے جانے والے چاروں جانور ناگ، گیدڑ، باگھ اور کتا انسان کے اندر پائی جانے والی منفی خصوصیات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ناگ جنسی خواہشات کی، گیدڑ مکاری و موقع پرستی کی، باگھ درندگی و دہشت کی اور کتا نفسِ امارہ کی علامت ہے۔یہ افسانہ علامتی و تجریدی ہر دو طرح کے عناصر کے امتزاج سے عبارت ہے۔ مرکزی کردار سے علیحدہ ہو جانے والی شخصیت انسان کے اس سائے کی علامت ہے، جس کا ایک مخصوص تصور خالدہ حسین کے ہاں ہے ("ایک خیال کوندے کی طرح میرے مرتے ذہن میں لپکا۔کیوں نہ میں اس کو پھر سے اپنے اندر بلا لوں۔بلا کر اس کا وجود ختم کر دوں")۔ دوسری صورت میں یہ نفسِ امارہ کی علامت ہے، جو انسان کی منفی خصوصیات کا نمائندہ ہے اور جس کو زیر کیے بغیر انسان پر کشف اور روحانیت کے دروازے نہیں کھل پاتے۔

"تریاق" علامتی سے زیادہ تجریدی رجحان کا حامل ہے، البتہ اس میں علامتی اشارے بھی موجود ہیں۔مرکزی کردار جو کہ ایک عورت ہے،نے ایک سفر کے دوران کفنی پہن رکھی ہے اور اس کے پاس نام والی تختی بھی نہیں۔یہ کردار غالباََ ایک خاتون لکھاری کا ہے جس کے لیے معروف ہونا ایک عذاب ہے۔اس تکلیف کا تریاق اس کی ضد یعنی بے نام ہونے میں ہے۔کفنی میں ملبوس ہونا اور نام کی تختی نہ ہونا بے نام ہونے کی خواہش کا علامتی اظہار ہے۔

یہ افسانہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ لکھاری،جو دانشور ہوتے ہیں اور لفظوں کے امین ہوتے ہیں، جب ان کے لکھے ہوئے لفظ دوسرے لوگ سمجھ نہیں پاتے توان کے لفظوں کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔پھر وہ لفظ پتھروں کاسا کام کرتے ہیں جن سے وہ لکھنے والا سنگسار ہو جاتا ہے۔بوسیدہ پیلے کاغذوں کی دوسری علامتی معنویت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اکثر لکھنے والے لکھنے کے اہل نہیں ہوتے۔اُن کی لکھی تحریریں کوڑے کرکٹ اور کنکر پتھر جیسی ہوتی ہیں، جو ایک جینوئن لکھنے والے کے لیے ذہنی کوفت کا باعث بنتی ہیں۔اِس کی ایک تیسری اور اور زیادہ اہم علامتی معنویت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فی زمانہ دینِ اسلام میں بہت سے مسالک اور مکاتبِ فکر وجود میں آ چکے ہیں، اور وہ اپنے نظریات و عقائد کا اظہار و پرچار لفظوں (تصانیف) کے ذریعے کرتے ہیں۔ایک عام مسلمان ان نظریات و عقائد کی ایک دوسرے سے متضاد روی سے پریشان ہے اور ان کے طوفان میں گھرا ہے۔یہاں تک کہ مقدس سفر میں بھی یہ الفاظ (متضاد عقائد و نظریات) اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کی روح کو چھلنی کر دیتے ہیں۔مجموعی طور پر یہ افسانہ ابہام وتجرید کی دھند میں لپٹا ہے جس سے معنی و مفہوم کی کئی سطحیں برآمد کی جا سکتی ہیں۔

درخت" میں درخت کا پھل کٹھل اپنے اکہرے اور ظاہری مفہوم میں مردانہ جنسی طاقت کی علامت ہے۔اگر اس طاقت کا خیال نہ رکھا جائے، اس کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ ضائع ہو جاتی ہے، لیکن اپنے وسیع تر مفہوم میں یہ انسانی وجود کی علامت ہے اور اس کے پھل سے مراد اعلیٰ انسانی اقدار و خصوصیات ہیں۔اگر ان اقدار کا خیال نہ رکھا

جائے تو انسان صرف نام کا ہی انسان رہ جاتا ہے، اندر سے یہ کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ پھل عرفانِ ذات کی بھی علامت ہے۔ اگر انسان اپنی محنت اور توجہ سے اپنی ذات کی معرفت حاصل کر لے تو پھر وہ ایک ایسے لذیذ اور شیریں پھل کی مانند ہے جو نوعِ انسانی کے لیے کارآمد اور مفید ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ بے کار اور کیڑوں بھرا وجود ہو گا۔ اس افسانے میں پھل کو کھانے والے کیڑے منفی یا شیطانی قوتوں کی علامت ہے جن سے بچاؤ کا اگر خیال نہ رکھا جائے تو یہ انسانی وجود کو مردہ اور کھوکھلا کر دیتی ہیں۔

"عہد نامہ" میں کنویں کے اندر رہنے والا وجود ایسے لوگوں کی علامت ہے، جو اپنی ہی ذات کے حصار میں رہتے ہیں اور اس سے باہر نکل کر نہیں دیکھنا چاہتے۔ ایسے لوگ دوسروں کے ساتھ کوئی بھی نیکی، نیکی سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ بدلے کی امید میں کرتے ہیں۔

"ڈولی" علامتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تجریدی افسانہ بھی ہے (خالدہ حسین کے اکثر علامتی افسانوں میں تجریدی عناصر کسی نہ کسی حد تک موجود ہوتے ہیں، بلکہ بعض افسانوں میں تجرید غالب عنصر ہوتا ہے)۔ یہاں "ڈولی" جنازے کی علامت ہے۔ اس افسانے میں شعور کی رو اور آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک سے افسانہ نگار نے کہانی کو دو سطحی بنا دیا ہے۔ ڈولی کی ٹھوس علامت کے ساتھ ساتھ بیانیہ میں بھی علامتی تہہ داری موجود ہے۔

"مکالمہ" میں صوفے کی عورت کے ساتھ مماثلت تلاش کر کے علامتی فضا تشکیل دی گئی ہے۔ "سفر" میں سانپ کو خوف اور دشمن کی علامت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ "گجر" میں گجر وقت کی علامت ہے جو ہر لمحہ گزرتا ہی جا رہا ہے۔

"سقوط" علامتی انداز میں لکھا گیا ایک سائیکو سومیٹک افسانہ ہے۔ اس میں جسمِ انسانی کو ایک سلطنت قرار دیتے ہوئے اس پر بیماریوں کے حملہ آور ہونے کی کیفیت کو علامات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں داستانوی طرزِ تحریر کو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد تجربہ ہے۔ افسانے میں پُر امن اور خوش حال سلطنت ایک صحت مند اور توانا جسم کی علامت ہے جب کہ غنیم بیماری کی علامت ہے، جو لمحہ بہ لمحہ تندرست جسم پر غلبہ حاصل کرتا چلا آرہا ہے۔ شاہی فوج انسانی مدافعتی نظام کی علامت ہے جو اب اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ بیماری کے آگے بے بس ہو چکا ہے۔ شب خون پڑنا مریض کو آپریشن کے لیے بے ہوش کرنے کی، جب کہ قلعہ کا صدر دروازہ کھلنا آپریشن کیے جانے کی علامت ہے۔ لیکن یہ آپریشن کامیاب نہیں ہوتا اور مریض مر جاتا ہے۔ صندلی ہرنی موت کی علامت ہے۔ صندلی ہرنی کا اچانک بڑھ کر بادشاہ کے پاؤں سے آنکھیں ملنا جان نکلنے کی علامت ہے (جان نکلنے کا عمل پاؤں سے شروع ہوتا ہے)۔ افسانے کا نام "سقوط" انسان کا موت کے آگے ہتھیار ڈال دینے کی علامتی معنویت لیے ہوئے ہے۔

"میلا" میں ملک چاچا اُس شخص کی علامت ہے جو اپنی چرب زبانی کی وجہ سے دوسروں کے پیسوں پر عیش کرتا ہے اور لوگوں کو ان تفریحات اور آسائشات سے دور رکھتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کے تناظر میں یہ ملک چاچا ایک سیاستدان کی علامت ہے، جو لوگوں کو اپنی چرب زبانی، وعدے وعیدوں اور زبانی جمع خرچ سے مطمئن کر دیتا ہے اور خود ان کے ٹیکس کے پیسوں پر عیش کرتا ہے۔

"الساعت" میں وہ خاص ساعت موت کی علامت ہے جو اپنے وقتِ مقررہ سے نہ گھڑی بھر پہلے آتی ہے اور نہ ہی بعد میں، جب کہ "رہائی" میں بھی قینچی موت کی علامت ہے جو زندگی کی ڈور کو کاٹ دیتی ہے۔

"فن کار" میں ڈانسنگ ہارس محکوم قوموں کی علامت ہے، جن کے اندر بڑے ولولے ہیں اور وہ اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتی ہیں، مگر اپنے آقا کے فرمانِ چابک نشان کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔اپنی مرضی کے خلاف اُس کے اشارے پر چلتی ہیں۔اگر وہ ایسا نہ کریں تو انھیں اقتصادی پابندیوں، قرض اور فنڈز کی بندش، پراکسی وار یا براہِ راست حملوں کے چابک کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ڈانسنگ ہارس کی دوسری علامتی معنویت عصر ِ حاضر کے نوجوان کی بھی ہو سکتی ہے جس کو اسلام دشمن طاقتیں فنونِ لطیفہ کی آڑ میں رقص و سرود اور عیش ونشاط کا دیوانہ بنا کر جذبہ جہاد سے دور کرنا چاہتی ہیں۔

محولہ بالا افسانے جن کا علامت نگاری کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے، خالدہ حسین کے نمائندہ اور معروف علامتی افسانے ہیں۔اگرچہ خالدہ حسین کے اکثر افسانے علامتی تہہ داری کے حامل ہیں، تاہم ان کے افسانوی مجموعوں "پہچان"، "دروازہ"اور "مصروف عورت" کے افسانے اِس حوالے سے زیادہ منفرد اور معروف ہیں۔خالدہ حسین اپنی علامت نگاری کے ذریعے کہیں تو وجود کی شناخت اور اہمیت کے معاملات کو دیکھنے کی کوشش کرتی ہیں تو کہیں تصوف کی روحانی وارداتوں سے حظ اٹھانے کی دعوت دیتی ہیں۔کہیں یہ علامتی تہہ داری روز مرہ زندگی کے عام افعال کا تعلق معاشرے یا فرد کے کسی بہت ہی خاص اور اہم کام سے جوڑ دیتی ہے اور کہیں ما بعد الطبیعات کی پر اسرار فضاؤں سے روشناس کراتی ہے۔لیکن ان سب کے لیے خالدہ حسین کی کہانیوں کا توجہ، دھیان، شوق اور استغراق سے مطالعہ ضروری ہے۔صرف اسی صورت میں ایک قاری ان کے علامتی افسانوں کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتا اور ان سے حظ اٹھا سکتا ہے۔

*****

حوالہ جات

1. مولوی نور الحسن نیرّ کاکوروی:"نوراللغات"(جلد دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم، ۲۰۰۶ء، ص۲۳۷
2. سیّد احمد دہلوی: "فرہنگِ آصفیہ"(جلد سوم)، اسلامیہ پریس، لاہور، ۱۸۹۸ء، ص۲۷۹
3. عبداللہ خان خویشگی:"فرہنگِ عامرہ"، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص۴۲۶
4. انور جمال:"ادبی اصطلاحات"، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص۱۲۹
5. ڈاکٹر فہیم اعظمی:(مضمون)"استعارہ اور سمبل"مشمولہ "علامت کے مباحث" (مرتبہ)اشتیاق احمد، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۱۵۴
6. ڈاکٹر سیّد عبداللہ:"ولی سے اقبال تک"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۲۹۳، ۲۹۲
7. ڈاکٹر محمد علی صدیقی:(مضمون)"استعارہ اور علامت"، مشمولہ "علامت نگاری" (مرتبہ) اشتیاق احمد، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۱۱۹
8. تبسم کاشمیری:"جدید اردو شاعری میں علامت نگاری"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۵۵-۵۶
9. ڈاکٹر وزیر آغا:"تنقید اور مجلسی تنقید"، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۱۹۸
10. ایضاً: ص۱۹۸
11. ڈاکٹر انیس اشفاق:(مضمون)"علامت کیا ہے۔کیونکر بنتی ہے؟" مشمولہ"علامت کے مباحث" (مرتبہ)اشتیاق احمد، ص۱۹۰
12. ڈاکٹر فہیم اعظمی:(مضمون) "استعارہ اور سمبل"مشمولہ "علامت کے مباحث"" (مرتبہ)اشتیاق احمد، ص ۱۵۳
13. ایضاً: ص۱۵۳
14. ڈاکٹر وزیر آغا:(مضمون) "علامت کیا ہے؟" مشمولہ"علامت نگاری" (مرتبہ)اشتیاق احمد، ص ۱۴۹
15. انتظار حسین: "علامتوں کا زوال"، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص۲۳۲
16. ایضاً: ص۲۳۶
17. انیس ناگی:"مذاکرات"، مکتبہ جمالیات، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص۱۱۶
18. منشا یاد:(مضمون) "خالدہ حسین کا فن"مشمولہ "ادبیات-۶۶(سہ ماہی)، اسلام آباد: ۲۰۰۴ء، ص۱۶۵
19. ڈاکٹر محمد اجمل: "مقالاتِ اجمل"، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۱۵۸
20. منشا یاد:(مضمون) "خالدہ حسین کا فن"، مشمولہ "ادبیات-۶۶(سہ ماہی)، اسلام آباد: ۲۰۰۴ء، ص۱۷۰
21. بی بی امینہ: "خالدہ حسین:شخصیت اور فن"، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۷، ص۳۵
22. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۵۲
23. ایضاً :ص ۵۸

24. ایضاً : ص۵۹
25. پروفیسر صغیر افراہیم:(مضمون)"خالدہ حسین کی کہانی" مشمولہ "افسانوی ادب کی نئی قرأت"(مرتبہ)پروفیسر صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء، ص۱۷۴
26. انیس ناگی : "مذاکرات"،مکتبہ جمالیات،لاہور، ۱۹۸۳ء، ص۱۱۷
27. پروفیسر صغیر افراہیم:(مضمون) "خالدہ حسین کی کہانی"مشمولہ "افسانوی ادب کی نئی قرأت"(مرتبہ)پروفیسر صغیر افراہیم، ص۱۷۲
28. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین"، ص۱۳۵
29. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین" ، ص۱۱۹
30. فتح محمد ملک: "تحسین و تردید"، اثبات پبلی کیشنز،راول پنڈی، ۱۹۸۴ء،ص۱۰۶
31. بی بی امینہ:"خالدہ حسین: شخصیت اور فن"، ص۳۷
32. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین"، ص۱۰۰
33. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین"،ص۱۱۱
34. ڈاکٹر محمد اجمل: (مضمون)"خالدہ حسین:داخلی خارجیت کی افسانہ نگار"مشمولہ "مقالاتِ اجمل"، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،
لاہور،۱۹۸۷ء، ص۱۵۹
35. ایضاً: ص۱۶۰
36. بی بی امینہ:" خالدہ حسین: شخصیت اور فن"،ص۴۴، ۴۵
37. خالدہ حسین: (مصاحبہ)"خالدہ حسین سے گفتگو" مشمولہ "خالدہ حسین : شخصیت اور فن"،ص۱۳۷
38. خالدہ حسین: "مجموعہ خالدہ حسین" ،ص۲۷۸

Refrences

1. Kakorvi, Noor ul Hasan Nayyer, Moulvi. *Noor ul Lughat (Vol 2.* Islamabad: National Book Foundation. 3rd Edition, 2006. p723
2. Dehlvi, Sayyed Ahmad. *Farhang e Asfiah (Vol 3)*. Lahore: Islamia Press. 1898. P 279
3. Khaweshgi, Abdullah Khan. *Farhang e Aamerah*. Islamabad: Muqtadra Qoumi Zuban Pakistan. 2007. P 426
4. Anwer Jamal. *Adbi Astalahaat*. Islamabad: National Book Foundation. 2016. P 129
5. Dr Faheem Azmi: (Essay) *Isteaara aur Symbol* incl. in *Alamat ke Mabahis* compiled by Ishiaq Ahmad. Lahore: Bait ul Hikmat. 2005. p154
6. Syed Abdullah, Dr.*Wali Se Iqbal Tuk*. Lahore: Sang e Meel Publications. 1995. P 292-293
7. Siddiqi, Muhammad Ali, Dr. (Essay) *Isteaara aur Alamat* incl. in *Alamat Nigari* compiled by Ishtiaq Ahmad . Lahore: Bait ul Hikmat. 2005. p119
8. Tabassum Kashmiri. *Jadeed Urdu Shaery Me Alamat Nigari*. Lahore: Sang e Meel Publications. 1975. P 55-56
9. Wazir Agha, Dr. *Tanqeed aur Majlisi Tanqeed*. Lahore: Aeena Adab. 1981. p198
10. Ibid: P 198
11. Anees Ashfaq: (Essay) *Alaamat Kia Hey. Kiunker Banti Hey?* Incl. in *Alamat ke Mabahis* compiled by Ishtiaq Ahmad. P 190
12. Faheem Azmi, Dr. (Essay) *Isteaara aur Symbol* incl. in *Alamat ke Mabahis* compiled by Ishtiaq Ahmad. P 153
13. Ibid: P 153
14. Wazir Agha, Dr: (Essay) *Alamat kia hy?* Incl. in *Alamat Nigari* compiled by Ishtiaq Ahmad. P 149
15. Intezaar Hussain. *Alamtoon ka Zawal*. New Delhi: Maktaba Jamia.2011. p232
16. Ibid: P 236
17. Anees Nagi. *Muzakraat.* Lahore: Maktaba Jamaliyat. 1983. P 116
18. Mansha Yaad. (Essay) *Khalida Hussain ka Fun.* incl. in *Adabeyat-66 (Quarterly)*. Islamabad: Academy of Letters. 2004. P 165
19. Muhammad Ajmal, Dr. *Maqalaat e Ajmal*. Lahore: Idarah Saqafat e Islamia. 1987. P 158
20. Mansha Yaad: (Essay) *Khalida Hussain ka Fun* incl. in *Adabeyat-66 (Quarterly)*. P 170
21. Bibi Ameena. *Khalida Hussain: Shakhsiet aur Fun*. P 35
22. Khalida Hussain. *Majmooa e Khalida Hussain*. Lahore: Sang e Meel Publications. 2008. P 52
23. Ibid: P 58
24. Ibid: P 59
25. Sagheer Ifraheem, Professor. (Essay) *Khalida Hussain ki Kahanai* incl. in *Afsanvi Adab ki Nai Qirat* compiled by Professor Sagheer Ifraheem. Ali Garh: Educational Book House. 2011. P 174
26. Anees Nagi. *Muzakraat*. Lahore: Maktaba Jamaliyat. 1983. P 117

27. Sagheer Ifraheem, Professor. (Essay) *Khalida Hussain ki Kahanai* incl. in *Afsanvi Adab ki Nai Qirat.* p172
28. Khalida Hussain. *Majmooa e Khalida Hussain*. P 135
29. Ibid : P 119
30. Fateh Muhammad Malik. *Tehseen o Tardeed*. Rawalpindi: Asbaat Publications. 1984. P 106
31. Bibi Ameena. *Khalida Hussain: Shakhsiet aur Fun*. P 37
32. Khalida Hussain. *Majmooa e Khalida Hussain*. P 100
33. Ibid: P 111
34. Muhammad Ajmal, Dr. (Essay) *Khalida Hussain : Dakhli Kharjeat ki Afsana Nigaar* incl. in *Maqalaat e Ajmal* (compiled by) Dr Muhammad Ajmal. Lahore: Idarah Saqafat e Islamia. 1987. P 159
35. Ibid : P 160
36. Bibi Ameena. *Khalida Hussain: Shakhsiet aur Fun*. P 44. 45
37. Khalida Hussain: (interview) *Khalida Hussain se guftgoo* incl. in *Khalida Hussain : Shakhsiet aur Fun* . P 137
38. Khalida Hussain. *Majmooa e Khalida Hussain*. P 278